R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Phone—29
Annual Rs. 5/-
per Copy-15 P.

1-8-15-22

۱۵ جون ۱۹۶۸ء	ایڈیٹر آل احمد سرور	جلد ۲۷۔ شمارہ ۲۳

اداریہ

بنیادی مسائل پر پہلے توجہ کیجیے

ہم نے گزشتہ دو اشاعتوں میں لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی آٹھویں رپورٹ پر تبصرہ کیا تھا۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گئی ہے کہ کچھ ریاستی حکومتیں اوّل تو دستوری ہدایات کی پابندی میں نیت و عمل سے کام لیتی ہیں دوسرے ان اعلانات پر بھی پورا پورا عمل نہیں کرتیں جو مرکز سے اس سلسلے میں جاری ہوتے ہیں اور جنھیں ان ریاستی حکومتوں نے بھی منظور کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ریاستی حکومتوں کو اور مرکز کو ان کا فرض یاد دلانا ضروری ہے مگر اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ملک میں عام طور پر قول اور عمل میں فرق بڑھ گیا ہے، اور دفتری نظام کی بے حسی کی وجہ سے فوری کارروائی میں بھی بڑی ڈھیل ہوتی ہے۔ اس لیے اپنے مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنے کے علاوہ ہمیں اب خاص طور پر خود تعمیری کاموں کی طرف توجہ کرنا ہے اور ہر ضلع میں ایسا انتظام بنانا ہے کہ مقامی طور پر جائز شکایات پر توجہ ہو سکے اور اس علاقے کے اردو دوست خود کچھ کاموں کی ذمہ داری لے سکیں۔ اردو دوستوں کی شکایات کو کچھ سیاسی پارٹیوں نے بھی اپنایا ہے۔ ہمیں ان کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کی تائید کا خیر مقدم کرنا چاہیے مگر اردو کے مسئلے کو جو ایک قومی مسئلہ ہے، سیاسی پارٹیوں کے درمیان فٹ بال نہ بننے دینا چاہیے۔ ادھر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ کچھ سیاسی پارٹیوں نے عام چناؤ سے پہلے اردو دوستوں کے مطالبات کی تائید کی اور اردو کو سرکاری طور پر تسلیم کرانے کا وعدہ کیا۔ مگر جب ان کے ہاتھ میں اقتدار آیا تو کچھ دوسری پارٹیوں کی ریشہ دوانی کی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سیاسی پارٹیاں محض دکھاوے کے لیے اردو کی حمایت کر رہی تھیں۔ بلکہ اس صورت حال پر غور کرنا چاہیے جو خاصی پیچیدہ ہے اور جس میں مختلف پارٹیاں تو کسی ایک مقصد کے لیے مل جاتی ہیں مگر اپنے اپنے الگ الگ پروگرام کی وجہ سے زیادہ دیر تک اور دور تک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی سیاست کا معیار زیادہ بلند نہیں ہے اور پورے ملک کے مفاد کو سامنے رکھنے کی عادت ابھی راسخ نہیں ہوئی ہے اور وقتی اور فوری مقاصد زیادہ اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر ملک میں تشدد کی فضا بڑھ رہی ہے اور کچھ شرپسند حضرات کے لیے یہ آسان ہو گیا ہے کہ ہمارے مطالبات کو غلط معنی پہنا کر فرقہ واریت کو ہوا دیں اور اس طرح ملک کے امن و امان میں خلل ڈالیں اور قومی اتحاد کو کمزور کریں۔ اس صورت حال کا ہمیں پامردی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اپنے مطالبات قومی اور جمہوری نقطۂ نظر سے پیش کرنے ہیں، قومی کاموں میں شرکت کرنا ہے۔ رائے عامہ کو ہموار کرنا ہے مگر اس سے زیادہ ضروری یہ کام ہے کہ اپنے اپنے حلقے میں ابتدائی تعلیم اردو کے ذریعے دینے کا خود انتظام کریں یا ریاستی حکومت اور مقامی اداروں کے ذریعے کرائیں۔ بنیادی تعلیم بہرحال اردو میں ہر بچے کو دلانا ہمارے لیے لازمی ہے۔ اس معاملے میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت ہماری طرف سے نہیں ہونی چاہیے۔ جو لوگ اتنی استطاعت رکھتے ہیں کہ اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں میں پڑھا سکتے ہیں ان کا یہ بھی فرض ہے کہ اپنے بچوں کو یا تو خود اردو میں تعلیم دیں یا کسی ایسے اسکول میں بھیجیں جو شام کے وقت تعلیم دیتا ہو۔ حکومت سے انتظام کرنے کا مطالبہ درست ہے مگر خود بھی تو ہمیں اس سلسلے میں دامے، درمے، سخنے، قدمے کوشش کرنا ہے اگر ہمارے بچوں کی زبان کی بنیاد کمزور ہوئی تو انھیں ہماری تہذیب ہمارے طرز زندگی، ہمارے افکار اور اقدار سے وہ تعلق نہ ہوگا جو ہونا چاہیے۔ زبان پوری شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کوئی بچہ اگر اردو سے بے بہرہ رہ گیا اور یوں اس نے بڑی ترقی کر لی

اور بہت اچھا افسر یا انجینئر یا ڈاکٹر بن گیا تو وہ ہمارے کام نہ آئے گا بلکہ کسی کے کام نہ آئے گا۔ ابتدائی تعلیم کے لئے صرف اسکول کھولنے کی ہی ضرورت نہیں ہے۔ مناسب اساتذہ مہیا کرنے مناسب کتابیں فراہم کرنے، اساتذہ کو معقول تنخواہیں دینے اور اسکول کی تعلیم کے معیار کو بلند رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ انگریزی اسکول آسمان سے کوئی بلند معیار لے کر نہیں آتے ہیں لوگ ان کے خاصے بڑے اخراجات کے کفیل ہوتے ہیں ان اسکولوں کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے ایک جہت اور آزمودہ طریقہ کار ہے۔ ہم اپنے اردو اسکولوں کو اگر الٹا سیدھا چلنے دیں گے، ان کے لئے اچھے معیار پر اصرار نہ کریں گے۔ انگریزی اسکولوں کے پیچھے دوڑیں گے اور اپنی چیزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے تو ہمارے اسکول کیسے ترقی کریں گے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قومی سیرت کی تشکیل میں تعلیم کا رول سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس وقت دوسرے تمام پہلوؤں کے مقابلے میں ابتدائی تعلیم اور پھر جس حد تک ہو سکے ثانوی تعلیم اردو میں دینے کی اہمیت سب سے زیادہ ہے پھر سہ لسانی فارمولے کے ذریعے اردو کو تیسری زبان کی حیثیت سے پڑھانے کی اہمیت ہے۔ اگر ہم ان تین باتوں پر خصوصی طور سے توجہ کریں تو ہمارے بچوں کی ذہنی نشو و نما صحیح خطوط پر ہوگی اور پھر آئندہ وہ زیادہ صالح سیرت و شخصیت بھی پیدا کر سکیں گے اور دنیا کے کاموں میں حصہ لینے کے بھی زیادہ اہل ہوں گے۔ ادب کی ترقی بھی اسی طرح ہوگی کہ زبان کی بنیاد مضبوط رہے اور زبان کے معیار کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ زبان کی بنیاد مضبوط ہوگی تو اچھے ادب کے لئے بھی راہیں کھلیں گی۔ ورنہ ہمارا ادب ایک خاص حلقے میں محدود ہو کر رہ جائے گا اور اس کی ترقی رک جائے گی۔

انجمن کی شاخوں کو اور اردو کی انجمنوں کو اس وقت اپنے حلقے میں پہلے ابتدائی تعلیم کا مکمل اور معیاری انتظام کرنا ہے۔ یہ ہو گیا تو دوسری باتیں بھی ہو سکیں گی یہ نہ ہوا تو ہماری زبان خطرے میں پڑ جائے گی۔

احمد انور کمال

شکایت

امادس کی ایک شب
تم نے کہا تھا
حسن پیلی ہے چاند کے دم سے
اور میں نے آج تک
تم سے شکایت ہی نہ کی
صرف
جاگتا رہا ہوں میں
زندگی کی راتوں میں
ایک چاند کی خاطر
آہ
تم ہو انجانی۔

ٹورنٹو سے دوماہی "صہبا" کا اجراء

ٹورنٹو کینیڈا میں مقیم اردو دوستوں نے بزم ادب اردو کے زیر اہتمام "رفتار" کے بجائے پھر دوماہی "صہبا" کا اجراء کیا ہے۔ یہ تمام تر علمی مضامین نظم و نثر پر مشتمل ہے زر سالانہ ۵ ڈالر ہے اس کے مدیر محمد حفیظ الکبیر قریشی ہیں۔ دوماہی "صہبا" اس پتہ سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

59 HALBORNE AVENUE
TORNTO 13, ONT, (CANADA)

پلٹزر ادبی انعامات

نیویارک۔ گذشتہ سال کی بہترین امریکی ناول کے لئے پولٹزر انعام ولیم اسٹارن کی لکھی ہوئی ناول "کنفیشن آف نات ٹرنر" کو ملا یہ ایک باغی نیگرو باشندے کی کہانی ہے جس کی عنقریب فلم بنائی جائے گی پولٹزر انعام امریکی جریدے "دی ورلڈ" کے پبلشر نے جاری کئے تھے اور یہ کولمبیا یونیورسٹی کی طرف سے دیئے جاتے ہیں اس سال بہترین سوانح حیات کا انعام سابق امریکی سفیر جارج کینان کو ان کی کتاب "یادداشت" پر ملا۔ (افکار)

اردو مراٹھی ڈکشنری

حکومت مہاراشٹر کے ادب و ثقافت کے شعبہ کے صدر جناب لکشمن شاستری جوشی نے ماہ مئی میں اردو مراٹھی شبد کوش کی اشاعت کا افتتاح کیا۔ یہ لغت بین العلاقائی اسکیم کے تحت شائع کی گئی ہے۔ سینٹ زیویرس کالج بمبئی کے پروفیسر نظام الدین ایس۔ گوریکر اور پونہ کے جناب پا د جوشی نے اسے مرتب کیا ہے۔ اس میں لگ بھگ پچیس ہزار الفاظ ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ پروفیسر گوریکر نے پہلی مرتبہ اردو حروف و الفاظ کو دیوناگری رسم الخط میں پیش کرنے کی ایک علمی اسکیم و وضاحتی نوٹ کا اضافہ کیا ہے اور اسی اسکیم کے تحت اردو الفاظ دیوناگری حروف میں بھی علمی طریقہ پر پیش کئے گئے ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے اپنے پریس میں اردو حروف بالخصوص ڈھالے ہیں۔ یہ ڈکشنری اپنی نوعیت کی پہلی ہے۔ (نامہ نگار)

تحریر: احمد کسروی
مترجم: کبیر احمد جائسی (علیگ)

آذربایجان کی قدیم زبان اور لوگ

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہم اس وقت یہاں ان الفاظ پر زیادہ بحث نہ کریں گے کیونکہ بر وقت یہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ان الفاظ کے بیان کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ یہ الفاظ ایرانیوں کے آنے سے پہلے یہاں رائج تھے اور غالباً یہ ان زبانوں کے الفاظ ہیں جو ایرانیوں کے آنے سے پہلے یہاں بولی جاتی تھیں اسی وجہ سے ہم ان الفاظ اور آریان کی زبان میں کوئی مطابقت نہیں پاتے مثلاً خوئے، اسلاس، اردبل وغیرہ۔

اگرچہ ہم مذکورہ بالا الفاظ میں سے بہت سے الفاظ کے معنی نہیں جانتے لیکن یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے الفاظ آریان کی زبان کے نہیں ہیں مثلاً ازنب، اہراب، لیلا، انجوان، بردوا، اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ، لیکن ان الفاظ سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے کہ آذربایجان کے لوگ صرف ایران (ERAN) یا آریان نہ تھے بلکہ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل مار بھی ان میں شامل تھے۔

آذری یا آذربایجان کی زبان، عربوں کے فتح کے بعد کی آذربایجان کی تاریخ موجود ہے اور عرب جغرافیہ نویسوں اور مورخوں کی کتابیں ہمارے پاس محفوظ ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی جوش و خروش نے عربوں کے ایران تک آنے کی راہ کھولی، کیونکہ ہزاروں سال سے عرب ایک بے برگ وگیاہ سرزمین میں مشقت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ان کی نظر ہمیشہ سے عراق و ایران کے سبزہ زار کی طرف تھی، ان کی یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور وہ جستہ جستہ ایران کے مختلف علاقوں میں بس گئے اور انھوں نے آذربایجان کو اس کے عمدہ پانی، سبزہ زار اور چراگاہوں کی وجہ سے خاص طور پر پسند کیا اور زیادہ تر یہیں آباد ہو گئے اور صدیوں تک اس علاقہ کی سربراہی کرتے رہے۔ لیکن آذربایجانی اپنی زبان سے دستبردار نہ ہوئے اور ان میں اور عربوں میں اختلاط بھی کم ہوا۔

ان عرب جغرافیہ نویسوں نے جنھوں نے اس زمانے میں آذربایجان کا ذکر کیا ہے وہاں کی زبان کو ایک الگ نام سے موسوم کیا ہے اور اس کو آذری کہا ہے۔ ہم یہاں پر ان کے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

(۱) ابن حوقل اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں آذربایجان، آریان اور ارمنستان کے بارے میں یوں لکھتا ہے۔

"آذربایجان اور ارمنستان کے بیشتر لوگوں کی زبان عربی فارسی ہے لیکن بہت کم لوگ عربی میں گفتگو کرتے ہیں وہ لوگ جو فارسی بولتے ہیں وہ عربی نہیں سمجھتے البتہ سوداگران اور زمیندار ان اس زبان میں اچھی طرح گفتگو کر سکتے ہیں یہاں کے مقامی لوگ جو مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی ایک اور زبان ہے اسی لیے ارمنستان کے لوگ ارمنی ہیں اور بردعہ کے لوگ آرانی میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہاں پر قبق نام کا ایک مشہور پہاڑ ہے اور ان کوہستانی کافروں کی بہت سی زبانیں ہیں۔"

(۲) مشہور مورخ مسعودی چوتھی صدی ہجری میں اپنی کتاب "التنبیہ والاشراف" میں جب ایران کو آذربایجان، رے، تبرستان، خراسان، سیستان، کرمان و فارس، خوزستان اور دوسری جگہوں پر مشتمل قرار دیتا ہے تو یوں لکھتا ہے۔

"یہ تمام شہر ایک بادشاہ کے زیر حکومت اور ایک ہی ملک کے حصے تھے اور ان کی زبان بھی ایک تھی، اگرچہ ان میں مختلف بولیاں بھی تھیں مثلاً پہلوی، دری، آذری وغیرہ۔"

(۳) مشہور سیاح ابوعبداللہ بشاری مقدسی اپنی کتاب احسن التقاسیم میں جو چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں لکھی گئی ہے، ایران کو جنت قرار دیتا ہوا لکھتا ہے۔ "اس آٹھویں اقلیم کے لوگوں کی زبان عجمی ہے سوائے اس کے کہ ان میں سے کچھ کی زبان دری اور کچھ کی ملی جلی زبان ہے ان تمام زبانوں کو فارسی کہا جاتا ہے" پھر جب آذربایجان کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو کہتا ہے۔ "ان کی زبان اچھی نہیں ہے، ارمنستان میں ارمنی میں اور آران میں آرانی میں بات چیت کرتے ہیں ان کی فارسی بھی جا سکتی ہے جو خراسانی کے قریب ہے۔"

(۴) ساتویں صدی ہجری کا مشہور جغرافیہ نویس یاقوت حموی آذربایجان کے بارے میں لکھتا ہے۔

"ان کی بولی آذریہ کہی جاتی ہے اور ان کے علاوہ کوئی اور اس زبان کو نہیں سمجھتا۔"

ان تمام تحریروں سے جو قدیم دانش مندوں کی تحریریں ہیں بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وہ زبان یا بولی جو اس زمانہ میں آذربائجان میں رائج تھی اس کو ان دانشمندوں نے آذری کہا ہے (جس طرح آران کی زبان کو آرانی کہا ہے) اور اس زمانہ میں آذربائجان (اور آران میں بھی) ترکی زبان کا کوئی وجود نہ تھا۔

اس سلسلہ میں ابوالعلای معری اور اس کے شاگرد ابوذکریا خطیب تبریزی کی سرگذشت سے ایک اور گواہ ہمارے ہاتھ آتا ہے یعنی اس طرح کہ ابوذکریا اپنے استاد کی ذہانت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ایک دن میں مسجد معرہ میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کی ایک کتاب کو اس کے سامنے پڑھ رہا تھا یکایک میں نے اپنے ایک ہم شہر کو دیکھا کہ مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھنے کا قصد کیا۔ میں دو سال سے معرہ میں تھا اور میں نے اس عرصہ میں اپنے شہر کے کسی شخص کو نہ دیکھا تھا اس لئے اس کو دیکھ کر میری عجیب حالت ہوگئی، ابوالعلاء نے میرا یہ حال دیکھ کر دریافت کیا "تم کو کیا ہوگیا ہے؟" میں نے کہا "میں نے سالوں سے اپنے شہر کے کسی آدمی کو نہ دیکھا تھا اس وقت اپنے ایک ہم شہر کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں" اس نے کہا "جاؤ! اور اس سے بات چیت کرو۔" میں نے کہا "سبق ختم کر کے جاؤں گا۔" اس نے کہا کہ "جاؤ! میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں اٹھا اور اس ہم شہر کے پاس گیا اور آذری میں بہت سی باتیں کیں اور جو کچھ میں نے چاہا سب کچھ پوچھا۔ جب استاد کے سامنے واپس آکر بیٹھ گیا تو اس نے پوچھا "یہ کون سی زبان تھی جس میں تم لوگ گفتگو کر رہے تھے؟" میں نے کہا "یہ آذربائجان کی زبان تھی۔" اس نے کہا "میں اس زبان کو نہیں جانتا اور تم لوگوں نے جو گفتگو کی اس کو سمجھ نہیں سکا البتہ تمہارے کہے ہوئے تمام کلمات میں نے یاد کر لئے ہیں" ... تم لوگوں نے جو باتیں کی تھیں سب اس نے دہرادیں مجھ کو اس کی ذہانت و حافظہ پر بڑا تعجب ہوا۔"

یہ بھی عجیب لطیفہ ہے کہ کتاب "نامۂ دانشوران" میں جو ناصرالدین شاہ کے عہد میں لکھی گئی ہے، اس حکایت کا ترجمہ کرتے ہوئے "الاذریۃ" کا ترجمہ "زبان ترکان" کیا گیا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ لکھنے والے آذربائجان کی کسی زمانے کی زبان سے واقف نہ تھے دوسری طرف ان سے یہ لغزش ہوئی کہ انھوں نے اپنے زعم میں آذری کو ترکوں کی زبان قرار دیا۔ اسی (غلط) دستاویز کی وجہ سے لوگوں نے آذربائجان کو ترکوں کا مسکن اول سمجھا۔

خلیل الرحمن اعظمی

رفتار

جب سے میں نے "رفتار" کے نام سے شعر و ادب کے موجودہ رجحانات سے متعلق اظہار خیال کا سلسلہ شروع کیا ہے میرے بعض دیرینہ اور مخلص احباب کو یہ شکایت ہے کہ میں نے شاعروں اور ادیبوں کی ضرورت سے زیادہ حوصلہ افزائی کر رہا ہوں۔ کئی احباب نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں آج کی شاعری میں معنی خیز اور قابل قدر پہلوؤں کی نشاندہی پر اکتفا نہ کروں بلکہ اصل کام تو ان ہزاروں اور لاکھوں متشاعروں یا ناشاعروں کا پول کھولنا ہے جو اپنی مہمل اور لایعنی تحریروں سے اردو ادب کے دامن کو داغدار کر رہے ہیں۔ بعض حضرات نے ملاقات کے دوران ایسے شعرا کے نام بھی لیے اور ان کے کچھ ایسے اشعار بھی سنائے جو ان کی دانست میں فضول اور لغو تھے (یہ اشعار انھیں زبانی یاد تھے) میں ایسے دوستوں کی قدر کرتا ہوں اور شعر و ادب کا جو ذوق انھیں ودیعت ہوا ہے اس کا میرے دل میں احترام ہے لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میں کوئی کتاب یا رسالہ پڑھتا ہوں تو بے جان، فضول یا بے معنی اشعار سے سرسری طور پر گزرتا جاتا ہوں البتہ کوئی شعر ایسا مل جاتا ہے جو مجھے اچھا لگتا ہے، تو اس پر نظر ٹھہر جاتی ہے اور اسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ ایسے اشعار اکثر و بیشتر میرے حافظے میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔ میں انھیں اشعار کو آج کی شاعری کا حاصل سمجھتا ہوں اور انھیں کی مدد سے آج کے ذہن کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

میرا کہنا یہ ہے کہ متشاعروں یا ناشاعروں کی پیدائش صرف موجودہ دور سے مخصوص نہیں ہے۔ فضول اور لایعنی اشعار کا انبار لگانے والے پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں اور خدا نے چاہا تو آئندہ بھی رہیں گے۔ خود اچھے اشعار کہنے والوں کے پاس بھی کوئی ایسا بنا بنایا نسخہ نہیں ہے کہ ہمیشہ ان کے قلم سے عمدہ اور اعلیٰ درجے کے شعر ہی کی تخلیق ہو۔ میر، سودا، نظیر، غالب، مومن اور وہ تمام اساتذہ جو اردو شعر و ادب کی آبرو ہیں ان کے دواوین اور کلیات کو بھی میں نے سراسر بے داغ نہیں پایا۔ صفحے کے صفحے الٹتے جائیے اور غزلوں پر غزلیں پڑھتے جائیے تب جا کر کسی شعر پر ٹھہرنے کو جی چاہتا ہے جن اشعار پر ہم رکتے ہیں ان میں بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں کسی پر ایک صاد بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کسی پر دو اور کسی پر بے شمار۔ نام تو یاد نہیں آرہا ہے لیکن کسی مغربی مصنف کا یہ قول کہیں پڑھا تھا کہ جو شخص مجھ سے یہ کہتا ہے کہ آج کل فلاں فلاں لغو کتابیں شائع ہوئی ہیں فلاں شعر بکواس ہے یا بے شمار ایسے شاعروں کے نام لیتا ہے جو حقیقی معنوں میں شاعر نہیں ہیں تو وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا البتہ کوئی جب مجھ سے یہ کہتا ہے کہ فلاں کتاب پڑھنے کے قابل ہے یا فلاں نظم میں یہ نکتہ ہے یا فلاں شعر دیکھیے کتنا اچھا ہے تو یہ کہہ کر وہ میری معلومات میں اضافہ کرتا ہے اور میرے لیے ایک خوشگوار اور قابل قدر اطلاع فراہم کرتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ میں قارئین کے اسی زمرے میں اپنے آپ کو رکھنے کا خواہش مند ہوں جو احباب متشاعروں اور ناشاعروں کا پول کھولنے کا مجھے مشورہ دیتے ہیں ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ کار خیر وہ خود ہی انجام دیں۔

کچھ دنوں پہلے ایک کتاب موصول ہوئی جس کا نام ہے "۱۹۷۶ء کی بہترین شاعری" اس کے مرتب سبط نبی صمیم

مدحت الاختر

غزل

اب کے ایسا کال پڑا ہے
جو بادل تھا وہ پیاسا ہے
آنکھ کھلی تو دیکھ رہا ہوں
سورج کا انداز نیا ہے
آوازیں ہی آوازیں ہیں
بستی بستی کوہ ندا ہے
دروازہ تو کھول کے دیکھو!
گھر کے باہر کون کھڑا ہے
نئے کسی سقراط کو ڈھونڈو
زہر پیا ہے سچ بھی سنا ہے
سنتا ہوں آواز یہ کیسی
کون یہ اندر چیخ رہا ہے
کمرے میں ہے اون کا گولا
باہر جاڑا کانپ رہا ہے

ہیں اور ادارۂ مطبوعات پاکستان راولپنڈی کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ شعری ادب کے انتخاب کا یہ سلسلہ مرتب نے گزشتہ سال سے شروع کیا ہے۔ یہ انتخاب اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ اس کتاب کے نام کو دیکھ کر اگر کوئی صاحب یہ منطقی بحث لے بیٹھیں کہ کیا اس میں شامل ہونے والی ہر نظم، غزل یا گیت "بہترین" کہلائے جانے کا مستحق ہے تو میں ایسے حضرات سے کسی قسم کا "مکالمۂ جبریل و ابلیس" کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس انتخاب سے شعری ادب کی رفتار اور اس کے رجحانات کے بارے میں میری جو رائے بنی ہے وہ حوصلہ افزا ہے۔ اس مجموعے میں ن۔م۔ راشد اور احمد ندیم قاسمی سے لے کر فہمیدہ ریاض اور ناہید قاسمی تک کی نظموں کی نمائندگی کی ہے۔ غزلوں میں آج کی غزل کا رنگ و آہنگ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ہمیں اندازہ ہو کہ آج کے شاعر کا طرزِ احساس اور اس کے لہجے کی نوعیت کیا ہے۔ جن اشعار پر میں نے اپنی پسندیدگی کے نشان بنائے ہیں ان میں سے کچھ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

ابھی جو تمہیں سوچا تو کچھ نہ یاد آیا
ابھی ابھی تو ہم اک دوسرے سے بچھڑے (احمد ندیم قاسمی)

مگر کسی نے ہمیں ہمسفر نہیں جانا
یہ اور بات کہ ہم ساتھ ساتھ سب کے گئے

گرفتہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا
گرفتہ دل ہیں مگر حوصلے بھی اب کے گئے (احمد فراز)

دل مطمئن ہے تم سے ملاقات ہو گئی
یہ آئینہ ازل سے طلبگار سنگ تھا (ارشاد حسین کاظمی)

ایک میں ہی روشنی کے خواب کو ترسا نہیں
آج تو سورج بھی جب نکلا تو اندھا ہو گیا

یہ بھی شاید زندگی کی اک ادا ہے دوستو
جس کو ساتھی مل گیا وہ اور تنہا ہو گیا

ایک پتھر زندگی نے تاک کر مارا مجھے
چوٹ وہ کھائی کہ سارا جسم دوہرا ہو گیا (فضل منہاس)

پھینک یوں پتھر کہ سطحِ آب بھی بوجھل نہ ہو
نقش بھی بن جائے اور دریا میں ہلچل نہ ہو

کھول یوں مٹھی کہ اک جگنو نہ نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک لمحہ کوئی اوجھل نہ ہو

پہلی سیڑھی پر قدم رکھ آخری سیڑھی پہ آنکھ
منزلوں کی جستجو میں رائیگاں اک پل نہ ہو (اقبال ساجد)

شہر کی سونی چھتیں ہوں یا فسردہ راستے
تھوڑی تھوڑی زلفِ شبنم سب کا چہرہ دھو گئی

(پرکاش فکری)

اب تو اک مدت سے اس کی دید بھی باقی نہیں
وہ حسیں منظر کہ جس کو دیکھنا کافی نہ تھا (خورشید رضوی)

اس فقیری میں بھی مل جاتی ہے دنیا کی جھلک
میں کہوں کیسے کہ اس کے پاس سے گزرا نہیں (سجاد باقر رضوی)

اے عصرِ عافیت تری صبحوں کی خیر ہو
میں منتشر ہوں تو مجھے آ کر سمیٹ لے (سلیم شاہد)

دل کیوں دھڑکنے لگتا ہے ابھرے جو کوئی چاپ
اب تو نہیں کسی کا مجھے انتظار بھی

اے دوست پہلے قرب کا نشہ عجیب تھا
میں سن سکا نہ اپنے بدن کی پکار بھی (شکیب جلالی مرحوم)

پھول کھلا تھا وقت کے ہاتھ اور دشت ہی
صحرائے آرزو کے لیے زہر بن گیا (شمس الرحمٰن فاروقی)

وہ شور اٹھا سارا چمن رہ گیا سن سے
سوکھا ہوا پتہ کوئی ٹہنی سے گرا تھا (شہرت بخاری)

چراغ گل کیے بیٹھا ہوں دل جلوں کی طرح
میں اپنے گھر میں ہوں لیکن مسافروں کی طرح

ملال کا زہر جہاں پہ ہاتھ جا پہنچے
میں بچ سکا نہ بہت دیر بے دلوں کی طرح (شہزاد احمد)

بزم میں آ کر بجھا میری طبیعت کا چراغ
میں کہ صدیوں سے زوالِ صبحِ تنہائی میں تھا

چھو لیا جب میں نے وہ پیکر تو میلا ہو گیا
اب کھلا یہ راز چاہت کا مزہ دوری میں تھا (صدیق افغانی)

سحر ہوئی تو بہت دیر تک دکھائی دیا
غروب ہوتی ہوئی رات کا کنارہ مجھے

مری فضا میں ہے ترتیب کائنات کی اور
عجب نہیں جو ترا چاند ہے ستارہ مجھے

نہ چھو سکوں جسے کیا اس کا دیکھنا بھی ظفر
پکارتا ہی رہا دور کا نظارہ مجھے (ظفر اقبال)

کہہ دو صلیبِ غم سے کہ اپنی منائے خیر
ہم نے تو پھر چراغ سرِ دار کے جلا لیے

آیا ہی تھا ابھی مرے لب پر وفا کا نام
کچھ دوستوں نے ہاتھ میں پتھر اٹھا لیے (قتیل شفائی)

میں تری خوئے تلون کے لیے صحرا ہی ہوں
مجھ سے ہی کب ترے گھر کا رستہ ڈھونڈا جائے گا (کشور ناہید)

تم ڈھونڈتے رہے مرے پامال نقش کو
میں روشنی تھا خول کے باہر بکھر گیا (مراتب اختر)

اب اندھیرا بھی ہے سناٹا بھی
شمع آواز جلا دی جائے

اتنا تنہا ہوں کہ جی چاہتا ہے
آسمانوں کو صدا دی جائے (نذیر قیصر)

مذکورہ بالا مجموعے کی اشاعت پاکستان سے ہوئی ہے اس میں لازماً پاکستانی شعرا کا تناسب زیادہ ہے اس لئے ۱۹۷۶ء کے شعری ادب کی تصویر اس مجموعے سے مکمل ہوتی ہے جو "۱۹۷۶ء کی منتخب شاعری" کے نام سے راج نرائن راز اور کمار پاشی نے نارش پبلیکیشنز دہلی سے شایع کیا ہے۔ اس مجموعے میں بہت سی خوبصورت اور نمائندہ نظموں کے علاوہ غزلوں کا انتخاب بھی بہت جامع ہے۔ بعض ہندوستانی شعراء کے کلام پر میں نے اپنی پسندیدگی کے جہاں جہاں نشان لگائے ہیں ان میں سے کچھ اشعار یہ ہیں:۔

معرفت کے بغیر جل رہا ہوں
میں سوتے مکاں کا دیا ہوں
منزل ہے نہ کوئی جادہ پھر بھی
آشوب سفر میں مبتلا ہوں
منصور نہ دعویٰ انا الحق
سولی مگر تک رہا ہوں
اس شہر میں وضع کجکلاہی
میں داخلی درخور سزا ہوں (گوپال متل)

وہ نہیں ہے نہ سہی ترک تمنا نہ کرو
دل اکیلا ہے اسے اور اکیلا نہ کرو
بند آنکھوں ہی میں نادیدہ زمانے پیدا
کھلی آنکھوں ہی سے ہر چیز کو دیکھا نہ کرو (محمود ایاز)

مرثیہ خواں ہے خود اپنی ہی تمناؤں کا
غم کی محفل میں بھٹکتا ہوا اک اک لمحہ
لوگ کہتے ہیں سیاہی کے سمندر میں کہیں
اور بھی ایک چمکتا ہوا دن ڈوب گیا (خورشید احمد جامی)

عجیب شخص ہے ناراض ہو کے ہنستا ہے
میں چاہتا ہوں خفا ہو تو وہ خفا ہی لگے (بشیر بدر)

جسم اپنا ہے کوئی اور نہ سایا اپنا
جانے اس زیست سے ہے کون سا رشتہ اپنا
تو نے کس موڑ پہ چھوڑا تھا مجھے عمر رواں
تک رہا ہوں کئی صدیوں سے میں رستہ اپنا
اے غم خانہ شہ جگ پر رنگ اشتہار
تیری گلی میں لٹاتا ہوں میں سونا اپنا (مسعود سرزواری)

بے سبب لفظوں کی بارش دیر تک ہوتی رہی
اور لفظوں کی فصیلیں تھیں کہ گرتی ہی رہیں

محفل شب میں فقط پرچھائیوں کی گرد تھی
شمع ساں پگھلا کئے گو صورتیں بنتی رہیں
دل حصار ذات میں آکر پریشاں ہو گیا
صورتیں آئی کسی صورت میں بھی دیکھی نہ تھیں (شمیم حنفی)

یوں ہے آوارہ کہ صدیوں سے ہو بے کل جیسے
زندگی ہو کوئی اڑتا ہوا بادل جیسے
دھل گیا صبح کے چہرے سے بھی وہ غازۂ نور
بہہ گیا رات کی آنکھوں سے بھی کاجل جیسے (قمر اقبال)

اک اجنبی کی طرح ملے ہیں وہ ہم سے آج
کہنے پڑیں گے عہد گزشتہ کے واقعات (سید فضل المتین)

بارہا یہ ہوا جا کر ترے دروازے تک
ہم پلٹ آئے ہیں ناکام دعاؤں کی طرح (ممتاز راشد)

کل کی امید نے جس روز وطن چھوڑا تھا
یاد آتا ہے کہ رویا تھا دریچہ کوئی
دستکیں سب کے کواڑوں نے سنی تھیں لیکن
رات بھی میرے سوا گھر سے نہ نکلا کوئی (کفیل آذر)

ان اشعار کو ابھی درج کر ہی رہا تھا کہ بے ساختہ ایک بات یاد آگئی۔ گزشتہ ماہ ایک سلسلے میں رام پور جانے کا اتفاق ہوا۔ بعض ایسے احباب سے بھی ملاقاتیں رہیں جن کا ابتدائی سطروں میں ذکر آچکا ہے یعنی وہ موجودہ دور کے شعری رجحانات سے کچھ غیر مطمئن اور بیزار سے نظر آئے حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جو عمر کی اس منزل میں ہیں کہ اپنے آپ کو آسانی سے آج کے دور کا انسان کہہ سکتے ہیں مگر اپنے محترم بزرگ مولانا امتیاز علی عرشی کی خدمت میں حاضر ہوا اور موجودہ شعر و ادب کا ذکر نکلا تو میری مسرت اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب موصوف نے فرمایا کہ آج کی اردو شاعری مجموعی طور پر گزشتہ ادوار کی شاعری سے آگے ہے اور بہت سے تازہ میلانات اس قابل ہیں کہ انھیں خوش آمدید کہا جائے۔ میں اس فراخ دلی اور خوش مذاقی کو عام ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔

مراسلات

میر وحید اور ڈاکٹر وحید اختر

یکم مئی ۱۹۶۸ء کے ہماری زبان میں میر اُنس کے صاحبزادے میر وحید کے ایک مرثیے پر ڈاکٹر وحید اختر کا تبصرہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ یہ اقدام تو اس بات کا ثبوت ہے کہ نئے ادیب بھی اردو کی اس صنف عظیم کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ میر وحید اپنے عہد کے ایک بہترین مرثیہ گو تھے۔ ان کی تعریف کرکے ڈاکٹر وحید اختر نے حقیقتاً فرض سخن شناسی ادا کیا ہے۔ لیکن اس تبصرے میں دو باتیں ایسی آگئی ہیں جن کی طرف اشارہ کر دینا بے حد ضروری ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے زیر نظر مرثیے کو اردو کا سب سے طویل مرثیہ کہا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ اردو کا سب سے طویل مرثیہ میر انیس کے شاگرد رشید حضرت فارغ کا ہے۔ ڈاکٹر وحید اختر نے میر وحید کے مرثیے میں تعداد بند ۲۲۲ بتائی ہے مجھے تو شبہ ہے کہ یہ تعداد میر وحید کے دو ہم مضمون اور ہم بحر مرثیوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ اس مرثیے کے ڈیڑھ سو یا ایک سو پچھتر سے زیادہ بند کہیں نہیں ملتے۔ اس کے باوجود اگر ڈاکٹر صاحب کے بیان کو درست مان لیا جائے تو بھی فارغ کے ہر مرثیے میں تعداد بند اس سے زیادہ ملے گی حضرت عباس کے حال میں ان کے آخری مرثیے میں ۵۰۲ بند ہیں لیکن پھر بھی سارا مرثیہ شروع سے آخر تک رزم نگاری کا ایک معجزہ ہے۔

یہ مرثیہ ۱۹۱۲ء میں فارغ کے ضخیم مجموعۂ مراثی "کوکبۂ فارغ" میں شائع ہوا تھا۔ "کوکبۂ فارغ" جو کہ اب کمیاب کتابوں میں پہنچ گئی ہے۔ لہٰذا میں نے چند سال قبل اس مرثیے کا دوسرا ایڈیشن ایک مختصر سے مقدمے کے ساتھ "علمدار کربلا" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ یہ ایڈیشن بھی شاید قریب ختم ہے مجھے دلی مسرت ہوگی اگر ڈاکٹر وحید اختر یہ مرثیہ اور اس کے ساتھ میری کتاب "فردوسی ہند" (مطالعہ فارغ) ملاحظہ کرلیں۔

دوسری بات ڈاکٹر وحید اختر نے ایسی لکھی ہے جسے پڑھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میر وحید کے یہاں لکھنوی زبان اور صنعتوں کو برتنے کا التزام انیس سے کہیں زیادہ ہے۔"

یہ رائے انتہائی غیر محتاط اور یکسر غلط ہے جہاں تک لکھنوی زبان یا اردو زبان کا تعلق ہے ایک سو میر وحید بھی انیس سے تولے نہیں جا سکتے۔ لکھنؤ میں میر انیس کا عہد زبان دانی کا بہترین عہد تھا اور اس زمانے والے انیس کے سحر زبان سے مبہوت ہو کر یہی کہتے تھے کہ اردو میں قرآن نازل ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ بالا فقرہ کس رو میں لکھ دیا ہے۔

رہیں صنائع اور بدائع وہ کلام انیس میں اتنی ہیں کہ مشکل ہی کسی شاعر کے یہاں مل سکیں گی۔ لیکن انیس کا کمال فن یہ ہے کہ صنائع ان کے کلام کے پیچھے رہتی ہیں۔ آگے نہیں آنے پاتیں۔ میں نے اپنے مختلف مضامین میں انیس کی اس صناعی کی طرف اشارے کئے ہیں۔

پروفیسر مسعود حسن ادیب نے تو اس موضوع پر ایک قابل قدر سیر حاصل مضمون لکھا ہے۔ علالت کی وجہ سے میں اس وقت ان مضامین کی نشاندہی سے معذور ہوں۔ ڈاکٹر صاحب حضرت ادیب سے ان کے مضمون کی تفصیلات حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر وحید اختر قطعاً ایک ذہین اور باذوق نوجوان ہیں۔ اگر وہ ادب مرثیہ پر گہری نظر ڈال کر اس موضوع پر نئے زاویوں سے کچھ لکھیں تو اردو کی ایک عظیم خدمت انجام دیں گے۔ مرثیے میں ہماری تہذیبی زندگی کی بہترین نمائندگی ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اردو کے تمام اصناف سخن فارسی سے ماخوذ ہیں۔ جس صنف کو اردو خود اپنی کہہ سکتی ہے وہ صرف مرثیہ ہے۔ مرثیے سے میرا مطلب وہ ادبی مرثیے ہیں جن کی ابتدا ضمیر اور خلیق نے کی اور جن کو انیس نے منتہائے عروج پر پہونچا دیا۔

(صفدر آہ)

لفظ بغداد کا ماخذ

بغداد کے لئے جو مشہور تاویل ہے وہ تو وہی نوشیرواں والی ہے کہ باغ داد یا حدیقۂ عدل ہے لیکن اس سلسلہ میں عراق کے سابق وزیر توفیق وہبی ۱۹۵۰ء میں "القصد الاستطرادی الاصل معنی بغداد" کے عنوان سے جو رسالہ لکھا، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی تحقیقات کے ضمیمہ کے طور سے اس کو نوٹ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس نے لکھا ہے کہ ویدوں کا بھگ (بھگوان میں جو شروع کا حصہ بھگ شامل ہے) ایران قدیم کا بگ اور اوستا کا بغ خدائے ذوالجلال کے معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے یوروپین سلاوی زبانوں میں یہ بوغ ہو گیا مگر معنی وہی رہے

یہ بھی دلچسپ امر ہے کہ بیک وقت اس کے معنی ہندی ایرانی زبان میں اور سغدی میں خدا اور قسمت دونوں کے ہیں۔

ترکوں میں یہ لفظ اپنے وسیع تر معنی میں پہنچ کے سردار اور امیر کے معنی دینے لگا اور بگ یا بیگ ابلک یا بک ہوگیا جو بعد میں ایران کے طغرل بیگ تک پہنچ گیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ ترکوں میں اور پھر عربوں میں بے ہوگیا۔ بہادر بھی جو اصلاً بغاتور بغا بغ اور تور کا جامع ہے (تور عبرانی میں تو قانون نظام اور توراۃ کے لئے ہے)

داد وہی ہے جو جدید فارسی میں دادن مصدر میں ڈھل گیا ہے اس طرح بغداد کے معنی ہوئے عطاء اللہ، عطیہ خداوندی!　　(از "عرب")

اردو اخبارات ورسائل کا اشاریہ

انجمن ترقی اردو ہند کے اخبار ہماری زبان میں اکثر مختلف رسائل اور اخبارات کا تعارف شائع ہوتا رہتا ہے، یہ تعارف اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ان اخبارات ورسائل کی اہمیت کو محسوس کیا جارہا ہے۔ کیا اچھا ہو اگر اسی احساس کے ساتھ ان رسائل اور اخبارات میں (جو اب اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہوگئے ہیں) چھپنے والے مضامین کی فہرست بھی ضروری تفصیلات کے ساتھ ہماری زبان میں شائع کردی جائے۔ اس سے طلبہ اور تحقیقی کام کرنے والے دونوں فائدہ اٹھاسکیں گے۔

(محمد انتصار اللہ)

کتابیں ملیں

اردو زبان کا مذہبی ورثہ: مصنف قیوم صادق احمد پوری
ناشر: علوی بک ڈپو محمد علی روڈ بمبئی ۳، صفحات: ۱۲۰، قیمت: تین روپے۔ یہ کتاب قیوم صادق کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے جس میں گذشتہ بیس برسوں کی ذہنی ادبی ثقافتی اور مذہبی افکار کا احاطہ کیا گیا ہے کتاب کے شروع میں پنڈت جواہر لال کے اردو کے سلسلے میں تاثرات اور جگن ناتھ آزاد کی نظم اردو بھی شامل ہے۔

چوتھی کا جوڑا: مصنف: افسر صہبائی
ناشر: مکتبہ بزم سخن بھوپال صفحات: ۲۲۴ قیمت: ۵ روپے
اس کتابچہ میں دلکش ساغری کی مرتب کردہ کتاب بھوپال میں غزل کی خامیوں کو واضح کیا گیا ہے۔

انیس انور

مکتوب لندن

شام غزل

مانچسٹر: مورخہ ۲۷ رمئی کو ۲۲۶ اسٹاک پورٹ روڈ کے ویلفیر سنٹر میں شام غزل کا اہتمام کیا گیا۔ محمد احمد نقوی نے اپنی استقبالیہ تقریر میں کہا کہ ہر شخص ویلفیر سنٹر کا ممبر بن کر اپنی رضاکارانہ خدمات کے ذریعہ معاشرہ کے لئے مفید ثابت ہوسکتا ہے اور آج کے دور کا تقاضا بھی یہی ہے کہ معاشرہ کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ہر فرد پیش قدمی کریں۔

تفریحی پروگرام کے تحت، شام غزل کا آغاز ہوا اور مانچسٹر کے مقامی فنکاروں میں ابرار حسین، عبدالرحمن، سرور جامی، اکرم بھٹی، اقبال، شفیق نقوی، خورشید نقوی کے علاوہ ایک مقامی انگریز مسٹر ڈیراتھ کیمر نے اردو، بنگلہ، پنجابی اور عثمانی زبانوں میں گیت، غزل اور کافیاں پیش کیں۔ مسٹر ڈیراتھ کیمر سنٹرل ہائی اسکول کے معلم ہیں غزل سنانے سے پیشتر انھوں نے سامعین سے اردو میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ان کا نام محمد بدیع نہیں [illegible] ہے لہذا اگر غزل پیش کرتے ہوئے زبان اور لے میں کوئی فرق محسوس ہو تو [illegible]۔ مسٹر کیمر نے پھر بہادر شاہ ظفر کی غزل دلنواز ترنم سے سنائی اور سامعین نے پڑھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

صاحب! اردو پڑھ رہے ہیں!

ایم۔ اے حبیب اعزازی سکریٹری اردو لائبریری نوٹنگھم کی اطلاع کے مطابق اسی لائبریری میں بالغ انگریزوں کے لئے اردو زبان وادب کی تعلیم کا انتظام کردیا گیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ ہفتہ اردو کی پہلی کلاس ہوئی جس میں پچاس انگریز طلبہ نے شرکت کی۔ ان میں مجسٹریٹ، ہیڈ ماسٹر، ٹیچر، پادری اور سماجی کارکن شامل تھے اردو لائبریری میں عدم گنجائش کی بنا پر اتنی بڑی جماعت کی تعلیم کا فوری انتظام وائی ایم سی اے ہال میں کیا گیا اور آئندہ ہفتہ سے نوٹنگھم یونیورسٹی کے مرکز تعلیم بالغان میں اس جماعت کو جاری کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ ہر ہفتہ بچوں کو بھی اردو سے روشناس کرنے کا اہتمام ہوگیا ہے۔

سلیم میں اردو لائبریری

لندن شہر کے جنوب مغربی علاقہ میں باشندگان سلیم کے لئے سلیم لائبریری میں اردو سیکشن باقاعدہ قائم ہوگیا ہے۔ [illegible] علی صاحب کے اطلاع کے مطابق جو صاحب ذوق اردو کتابوں سے استفادہ کرنا چاہیں وہ اگر اپنی مقامی لائبریری کی معرفت درخواست دیں تو انھیں اردو کتب فراہم کردی جائیں گی۔ سلیم لائبریری میں فی الوقت برصغیر کے ممتاز شعراء اور ادباء کی سو کتابیں موجود ہیں۔ یہ حضرات مذکورہ کتب بطور تحفہ بھی لائبریری کو ارسال کرسکتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو راجستھان کا سالانہ اجلاس

۱۹؍مئی ۱۹۶۸ء کو ۹ بجے صبح بمقام سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم جے پور کا انجمن ترقی اردو راجستھان کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں انجمن کی مجلس عام و عاملہ کے ممبروں نے شرکت کر کے اپنی اردو دوستی کا ثبوت دیا۔ سب سے پہلے جنرل سکریٹری انجمن نے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں راجستھان سے متعلق اردو کے تمام مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ پھر خازن اور اسسٹنٹ سکریٹری نے حسابات کے گوشوارے پیش کئے۔ رپورٹ اور گوشواروں پر کافی بحث بحث و مباحثہ کے بعد ان کی بالاتفاق توثیق کی گئی۔ اس کے بعد صدر انجمن راؤ بہادر پنڈت امر ناتھ صاحب نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا۔ جس کو پسند کیا گیا۔

بیان خطبہ کا متن درج ہے سکریٹری کی رپورٹ دوسرے شمارے میں آئے گی۔

حضرات! انجمن کی کارکردگی میں اگر کوئی کوتاہی ہے تو اس کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہے۔ آپ کو رپورٹ جنرل سکریٹری صاحب سے واضح ہو گا کہ اردو دوستی اور اردو دشمنی کے کیا کیا انتظام حکومت اور ماتحت افسروں نے کئے ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے نہایت معقول و مناسب احکام جاری ہو چکے ہیں اور اس کی پالیسی بھی ہمارے موافق ہے۔ انجمن نے بھی اپنے مطالبات پیش کرنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ لیکن بعض سرکاری افسر بھی گورنمنٹ کی پالیسی کے خلاف عمل کرنے میں کمی نہیں کر رہے ہیں جس کے خلاف ہم مدد اپنے احتجاج بلند کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں آپ سب صاحبان کی عملی امداد اور تعاون کی سخت ضرورت ہے۔

انجمن نے اس دوران میں چند تعمیری کام بھی کئے ہیں۔ مثلاً سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم کی تعمیر اور اس کا اجرا۔ مجھے اس عمارت کی تعمیر میں اندازہ ہوا کہ کس قدر دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس ریڈنگ روم کو ضرور جاری رکھنا ہے کیونکہ یہ بذات خود بھی مفید ہے۔ اور ترقی اردو کے لئے بھی اس کا جاری رہنا بہت ضروری ہے۔ لیکن تنہا میں یا جنرل سکریٹری یہ کام انجام دیں ممکن نہیں۔ البتہ اگر آپ کی بھی دلی خواہش ہے کہ اردو کی ترقی ہو تو اس کے جاری رکھنے میں بھرپور تعاون فرمائیے اور صرف اسی معاملے میں نہیں بلکہ دیگر معاملات میں بھی۔

حضرات! جناب خان بہادر الحاج الطاف احمد صاحب خیری جو عرصہ تک ہمارے صدر رہے ہیں اور اب ان کی غیر حاضری میں بھی ان کی سابق کوششیں اور ترقی کی تمنائیں ہمارے لئے شمع ہدایت کا کام دے رہی ہیں۔

جناب احمد علی شاہ جعفری صاحب یہاں سے دور ہیں لیکن درد و غم میں شریک ہیں اور ان کی ذات سے ہماری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

جناب وحید اللہ خاں صاحب انجمن کے کاموں میں پورے طور سے معاون ہیں۔ جناب نواب عبدالباقی خاں صاحب خرابی صحت کے باوجود گرم جوشی کے ساتھ ہر کام میں ہر وقت شریک رہتے ہیں۔ میں جنرل سکریٹری صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے انجمن کے معاملات میں جو دلچسپی لی ہے اور کوشش و سعی کی ہے وہ قابل ستائش ہے۔ ان کے دل میں ترقی اردو کی امنگیں ہیں۔ اور بلا معاوضہ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ تھکتے ہیں کہ عمر کا تقاضہ ہے۔ تھک کر رہ جاتے ہیں۔ کبھی سبکدوشی چاہتے ہیں لیکن پھر ان کے انو جہت پر امیدوں کی جھلک نظر آتی ہے اور وہ اٹھ بیٹھتے ہیں۔ قلم کو اس طرح اٹھاتے ہیں کہ جیسے کوئی مرد میدان تیغ دو دم اٹھائے۔

جناب ڈاکٹر رام سنگھ صاحب ہمارے خازن رہے ہیں ہر معاملے میں ان کا ایسا تعاون رہا ہے کہ جو قابل قدر ہے۔ وہ ہر ڈیپوٹیشن اور ہر معاملے میں باوجود اپنی مصروفیات کے پیش پیش رہتے ہیں۔ اسی طرح منشی عبدالواسع اور بابو عبدالرؤف ترقی اردو کے معاملات میں کوشاں رہتے ہیں۔ انھوں نے ریڈنگ روم کی تعمیر کے سلسلے میں میری بہت مدد کی۔ جناب سید عبدالرؤف صاحب اجمیری دو تین سال سے عملی طور پر انجمن کے کاموں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

سامعین اکرام! میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا لیکن یہ میرا فرض تھا کہ بحیثیت صدر انجمن اپنے معاونین کا شکریہ ادا کروں یہ فہرست طویل ہے۔ میں بھی ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دیگر ہمدردان و معاونین کا بھی اور اب اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ انجمن کی بھی ترقی ہو اور اردو کی بھی۔

اردو ہال میں یوم اردو کے جلسہ کی قراردادیں

حیدرآباد۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے زیر اہتمام اردو ہال حمایت نگر میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا یہ اجتماع اردو کے مطالبات کو تقویت پہنچانے اور اسے قانونی موقف دلانے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرنے کیلئے منعقد کیا گیا۔ اس اجتماع کی صدارت جناب ایم نرسنگ راؤ سابق وزیر داخلہ آندھرا پردیش کی۔ ... ہماری ریاست کے طول و عرض میں انجمن ترقی اردو کی جانب سے ہفتہ اردو منایا گیا اس اجتماع میں اردو دوستوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی جناب ایم نرسنگ راؤ

سابق وزیر نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ریاست میں اردو کو اس کا جائز مقام ملنا چاہئے اور اردو والوں کا مطالبہ جس میں میں بھی برابر کا شریک ہوں جائز و حق بجانب ہے ریاست میں اردو کے مسئلے کو پرامن احتجاج کے ذریعہ منوانا جناب مخدوم محی الدین ایم۔ایل۔سی نے ریاست میں اردو کو قانونی موقف دلانے کے لئے جدوجہد کے موجودہ طریقہ کار کو بدلنے کی ضرورت پر زور دیا۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے کہا کہ زبان کے مسئلہ کو کسی مذہب یا فرقہ سے وابستہ کرنا انتہائی تنگ نظری کا ثبوت ہے لسانی مسئلہ پر جذبات کو مشتعل کرنے والے لوگوں کی مذمت کی جانی چاہئے۔ جناب منوہر راج سکسینہ نے کہا کہ دستور میں (۱۴) زبانوں بشمول اردو کو تسلیم کرنے کے بعد اردو کی حیثیت کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ دستور میں یہ تیقنات اور تحفظات دیئے گئے ہیں ان کو روبعمل لانا چاہئے۔ جناب بیرسٹر سردار علی خاں نے لسانی مسئلہ کو سیاست سے ملوث نہ کرنے پر زور دیا اور کہا کہ حکومت اردو کے ذریعہ قومی یکجہتی کے مقصد کو حاصل کرسکتی ہے۔ جناب خواجہ نظام الدین ایم۔ایل۔اے نے صدر جمہوریہ کی حیدرآباد میں آمد کے موقعہ پر محبان اردو کی جانب سے یادداشت پیش کرنے پر زور دیا۔ جناب سرینواس لاہوتی نے حسب ذیل قراردادیں پڑھ کر سنائیں جسے جلسہ میں متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔

قرارداد نمبر ۱۔

قانون سرکاری زبان آندھرا پردیش کو منظور ہوئے دو سال سے زائد مدت گذر چکی ہے لیکن اس قانون میں اردو کا جو تھوڑا بہت تحفظ کیا گیا ہے اس کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت نے اب تک کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو کا ایک وفد چیف منسٹر صاحب سے ملا اور اس نامناسب صورت حال کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ایک یادداشت پیش کی چیف منسٹر نے وفد کو یقین دلایا کہ وزیر متعلقہ بہت جلد انجمن کے نمائندوں سے مشورہ کرکے اردو کے حقوق کی حفاظت کے لئے ضروری قدم اٹھائیں گے۔ اس ملاقات کو بھی کافی عرصہ گذر گیا لیکن ابھی تک اس بارے میں کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ انجمن ترقی اردو کے اراکین اور ہمدردوں کا یہ جلسہ ریاستی حکومت کی اس صریح غفلت و بے توجہی پر اپنی سخت تشویش اور بے چینی کا اظہار کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ انجمن کی یادداشت میں جو مطالبات پیش کئے گئے ہیں انہیں جلد از جلد روبہ عمل لایا جائے۔

قرارداد نمبر ۲۔

آندھرا پردیش لیجسلیٹو اسمبلی نے ۱۵؍فروری سنہ ۱۹۶۸ء کو سہ لسانی فارمولا سے متعلق جو قرارداد منظور کی ہے وہ اردو بولنے والوں کے نقطۂ نظر سے بہت ناقص اور غیر تشفی بخش ہے۔ اس قرارداد میں لسانی اقلیتوں کے تعلق سے سفارش کی گئی ہے کہ ریاستی حکومتیں ان اقلیتوں کی مادری زبان میں صرف تحتانی درجے تک تعلیم کی سہولتیں مہیا کریں۔ یہ سفارش درحقیقت ایک نامناسب اقدام ہے کیونکہ ریاست آندھرا پردیش میں اس وقت بھی نہ صرف اردو ذریعہ تعلیم کے متعدد وسطانی اور اعلیٰ وسطانی درجے کے سرکاری اور امدادی مدارس موجود ہیں بلکہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک ملحقہ کالج میں بھی ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ لہذا انجمن ترقی اردو کے اراکین اور ہمدردوں کا یہ جلسہ ریاستی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ:

۱۔ ریاست کی اردو بولنے والی اقلیت کے لئے تحتانیہ سے لے کر جامعاتی سطح تک اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا انتظام کرے اور

(۲) لسانی فارمولا میں اردو بولنے والوں کے لئے یہ تین زبانیں تسلیم کرے۔

(الف) مادری زبان — اردو

(ب) علاقائی زبان — تلگو

(ج) تیسری زبان۔ انگریزی اور ہندی میں سے کوئی ایک زبان — طالب علم کی مرضی پر۔

(سکریٹری)

انجمن ترقی اردو کوئٹہ کا انتخاب

۸؍مارچ بروز شنبہ بوقت نو بجے شب انجمن ترقی اردو کوئٹہ کا انتخابی جلسہ زیر صدارت جناب عبد الشکور صاحب شمیم ایم۔اے (علیگ) مدرسہ اسلامیہ میں منعقد ہوا۔ اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر:۔ جناب پروفیسر حافظ حکمت علی صاحب ایم۔اے

نائب صدر:۔ جناب عبد المجید صاحب اختر ایم۔اے ایل۔ایل۔بی (علیگ)

سکریٹری:۔ عبد الرحیم صاحب ایڈوکیٹ

جائنٹ سکریٹری:۔ عبد الحمید کامریڈ ممبر میونسپل کمشنر کوئٹہ

خازن:۔ محمد بخش صاحب ڈھڈم۔

ممبران مجلس عاملہ:۔ سیٹھ عمر دراز صاحب ممبر میونسپل کمشنر کوئٹہ، منشی خلیل احمد صاحب، بشیر احمد صاحب توفیق، عبد الحکیم صاحب خلجی، محمد حسین صاحب انصاری انکم ٹیکس پریکٹشنر جناب شمیم صاحب، محمد حسین صاحب ایڈوکیٹ سابق صدر انجمن ہذا۔ ظفر پیرزادہ، عبد السلام صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ انجمن ترقی اردو پاکستان سے جوڑنے کے لئے اتفاق رائے سے عبد المجید صاحب اختر ایڈوکیٹ کو نمائندہ

منتخب کیا گیا۔ (سکریٹری انجمن ترقی اردو کوٹہ)

انجمن ترقی اردو ادونی میں یوم اردو

انجمن ترقی اردو ادونی کے زیر اہتمام ۲۶ مئی کو "یوم اردو" بصدارت خلیل الرحمٰن (ریڈر عثمانیہ کالج) منایا گیا۔ صدر انجمن جناب محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنی استقبالیہ تقریر میں مہمانوں کا تعارف کرایا۔ چودھری محمود (معتمد عمومی) نے انجمن کی کارگذاریوں پر مشتمل رپورٹ پڑھی۔ اس کے بعد صدر جلسہ نے اپنی ابتدائی تقریر میں اردو کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور یہ ثابت کیا کہ اردو پاکستان کی زبان نہیں ہے۔ اور نہ ہی صرف مسلمانوں کی زبان۔ مزید آپ نے کہا کہ انسان اپنا مذہب بدل سکتا ہے، زبان نہیں۔

صدر جلسہ کی افتتاحیہ تقریر کے بعد علی ہاشمی (معتمد نشر و اشاعت) نے قراردادیں پڑھیں۔ جس کو حاضرین نے بہ اتفاق رائے منظور کیا۔ جناب ایس۔ پی۔ عبد الباسط (شریک معتمد عمومی) کے شکریہ اور قومی ترانے کے بعد یہ جلسہ ختم ہوا۔

(معتمد نشر و اشاعت انجمن ترقی اردو ادونی)

انجمن ترقی اردو دربھنگہ کے زیر اہتمام یوم غالب

دربھنگہ۔ انجمن ترقی اردو شاخ ادونسی بھنگواں کے زیر اہتمام یوم غالب منایا گیا۔ پروگرام کے مطابق جلسہ کا افتتاح ہوا جس کی صدارت مولانا عبد العلیم آسی نے کی۔ سب سے پہلے مولانا طہٰ الہٰی فکری نے غالب کی زندگی اور ان کی شاعری پر تقریر کی پھر مقالات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں محمد سہیل صاحب۔ زاہد حسین خاں، جناب عبد المنان طرزی، جناب حبیب الرحمٰن۔ جناب حسن امام ورد، پروفیسر لطف اظہر نے اپنے مقالے پیش کئے۔ آخر میں صدر جلسہ جناب مولانا عبد العلیم آسی نے "غالب کی فارسی شاعری" پر مقالہ پڑھا۔ اس کے بعد پروفیسر مہدی رضوی راجندر کالج چھپرہ نے غالب کی شخصیت پر ایک تقریر کی۔ مقالوں کے بعد طرحی مشاعرہ شروع ہوا جس کی صدارت پروفیسر مہدی رضوی نے کی۔ شعراء میں خصوصیت کے ساتھ محسن دربھنگوی طہٰ الہٰی رضوی، عبد العلیم آسی، شاداں فاروقی، حسن امام ورد، قاری داؤد طالب، مرتضیٰ رضوی، عبد المنان طرزی، ڈاکٹر جمیل اختر، رستم علی راحت، حلیم عادل، رضی احمد رضوی، عبد المنان، فضل الرحمٰن افضل، ڈاکٹر قمر الحق اور جوہر اجرملی کے نام قابل ذکر ہیں۔

(سکریٹری)

بہار میں "ایوان غالب" کا قیام

بتیا چمپارن (بہار) جناب ایم عالم کے دولتکدے پر غالب کا جشن صد سالہ فروری ۱۹۶۹ء میں منانے کے ضمن میں ایک نشست منعقد ہوئی۔ نشست کی صدارت جناب حکیم عبد المنان صاحب مشتاق نے کی۔ اس نشست میں ایوان غالب کے نام سے ایک عارضی کمیٹی بنائی گئی جس کے کنوینر جناب محمد نصیر الدین صاحب اور معاون کنوینر جناب شمس الہدیٰ صاحب بی ایس سی ایڈیٹر "تجلی" پٹنہ منتخب ہوئے۔ اس کے علاوہ بارہ ممبران مجلس عاملہ کے لئے منتخب ہوئے۔

(محمد نصیر الدین کنوینر)

مجتبیٰ حسین کے مزاحیہ مضامین کے مجموعہ کی رسم اجرا

گلبرگہ۔ ہندوستان کے نوجوان مزاح نگار اور روزنامہ سیاست (حیدرآباد) کے کالم نویس و صحافی جناب مجتبیٰ حسین کی پہلی تصنیف "تکلف برطرف" کی اشاعت کی مسرت میں ایک خیر مقدمی تقریب ۱۹ مئی یکشنبہ کو نو بجے شب بمقام مسلم ہاسٹل زیر صدارت پروفیسر محمد یعقوب پرنسپل گورنمنٹ کالج گلبرگہ منعقد کی گئی۔ جناب عبد القادر بی اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ (صدر استقبالیہ) نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں اپنی نیک توقعات کا اظہار کیا۔ جناب وہاب عندلیب صاحب ایم۔ اے جناب سید مجیب الرحمٰن، جناب طیب انصاری (شعبۂ اردو گلبرگہ کالج) نے مجتبیٰ حسین کے فکر و فن پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر سرور ڈنڈا، صلاح الدین نیر کے علاوہ ممتاز دکنی شاعر جناب سلیمان خطیب نے بھی منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ جناب محمد معظم علی نائب صدر استقبالیہ کمیٹی کے شکریہ پر تقریب کا اختتام عمل میں آیا۔

(نامہ نگار)

بزم سخن اڑیسہ کٹک کا مشاعرہ

۲۶ مئی کی شام کو بزم سخن اڑیسہ کٹک کا ایک ہو غیر طرحی مشاعرہ احاطہ خانقاہ چشتیہ میں زیر صدارت ڈاکٹر محمد ایوب منعقد ہوا سکریٹری کی ماہانہ رپورٹ کے بعد صدر جلسہ نے جناب پرویز شاہدی کی اچانک وفات پر ایک تعزیتی تجویز پیش کی جس کو حاضرین نے منظور کیا اس کے بعد مشاعرہ کا آغاز ہوا جس میں شعرا نے اپنے تازہ کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

(عبد الصمد)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر نصیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا